قرآن مجید کی فصاحت و بلاعنت

سید رمیز الحسن موسوی*

قرآنیات سے متعلق ایک اہم بحث ،قرآن مجید کی فصاحت و بلاعنت ہے۔اس موضوع کے بارے میں بہت زیادہ کتابیں لکھی گئ ہیں اور مفسرین قرآن نے بھی اس موضوع پر داد سخن دی ہے۔ چونکہ جس زمانے اور جس ماحول میں قرآن مجید نازل ہوا،اس میں یہ موضوع خاصی اہمیت رکھتا تھااور آج بھی اس کی اہمیت اُسی طرح برقرار ہے جس طرح پہلے تھی لٰلذا یہاں اسی اہمیت کے پیش نظر قرآنی فصاحت و بلاعنت کے موضوع پرایک فارسی مقالے کاترجمہ نور معرفت کے قارئین کی نذر کیاجارہاہے۔یہ مقالہ ''پیام قرآن'' کی جلد ۸ سے لیاگیاہے۔یادرہے یہ کتاب ابھی تک اُردو میں شائع نہیں ہوئی ہے۔(مترجم)

فصاحت و بلاعنت کا معنیٰ

علم معانی کے علماء فصاحت و بلاعنت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: فصاحت کبھی تو کلمہ کی توصیف میں ہوتی ہے اور کبھی کلام کی توصیف میں اور اس سے مراد کلام کا نامانوس، سنگین و ثقیل حروف وکلمات اور بے وزن اور بدآہنگ الفاظ سے پاک ہو نا ہے۔ اسی طرح ہلکے، رکیک، نفرت انگیز اور کان پھاڑنے والے بے ڈھنگے اور پیچیدہ اور مبہم الفاظ سے مبرا ہو نا ہے۔ اور بلاعنت سے مراد کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہو نااور جس مقصد کی خاطر کلام جاری کیا گیا ہےاُس کے ساتھ مکمل طورپر مطابقت رکھتا ہو۔ بالفاظ دیگر فصاحت کی بازگشت، الفاظ کی کیفیت کی طرف ہوتی ہے جبکہ بلاعنت معنیٰ ومطالب کی کیفیت پر مشتمل ہے۔اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فصاحت کلام کے ظاہری پہلوؤں کی طرف اور بلاعنت اس کے معنویت اور مضامین کی طرف ناظر ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں علمی پہلور کھنے سے زیادہ ذوقی اور استعدادی پہلو رکھتے ہیں،لیکن ذوق واستعداد بھی تعلیم وتربیت اور اُن قواعد کی طرف توجہ دینے سے پھلتی پھولتی ہے جو اکثر فصحااور بلغاکے کلام سے لئے جاتے ہیں۔یہ بالکل شعری ذوق اور خوش خطی کی استعداد کی طرح ہے کہ جو اُستاداور تعلیم کے ذریعے تکامل حاصل کرتی ہے۔

اعجاز قرآن اور فصاحت و بلاعنت کا تعلق

بعض کا خیال ہے کہ اعجاز قرآن اور مختلف آیات میں معارضے کی دعوت بنیادی طور پر اسی مطلب کی طرف ناظر ہے اور ممکن ہے درج ذیل نکات اسی مطلب پر شاہد ہوں:

ا۔ اُس زمانے میں عربوں کی خصوصیت اور ہنر مندی فقط فصاحت و بلاعنت میں ہی تھی یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار فصاحت کی بلندیوں پر سمجھے جاتے تھے اور ہر سال طائف کے نزدیک تشکیل پانے والے ایک اقتصادی اجتماع میں کہ جسے ''بازار عکاظ'' کہا جاتا تھا،جس کاایک اہم ترین پروگرام اُس سال کے بہترین اور خوبصورت ترین اشعار پڑھے جانا تھا۔جب اُن میں سے بہترین شعر کو انتخاب کیا جاتا تھا تواُسے ایک بلند مرتبہ ادبی شہ پارے کے طور پر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تھااور اس طرح سالہا سال کے بعد سات مشہور ادبی شہ پارے جمع کئے گئے تھے کہ جنہیں ''معلقات سبع'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بنابریں، اگرقرآن اُنہیں چیلنج کرتا ہےاور معارضے ومقابلے کی دعوت دیتا ہے تواُسے اسی پہلو سے یہ دعوت دینی چاہیے۔

---

*۔مدیر مجلّہ، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)،اسلام آباد

۲۔مشرکین عرب قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو تعبیر استعمال کرتے تھے، اُس کے مطابق وہ قرآن کو "جادو" اور پیغمبرؐ کو "جادوگر" کہتے تھے، ممکن ہے یہ قرآن کی غیر معمولی جاذبیت اور کشش کی طرف اشارہ ہو کہ جو یقینا کلام کی خوبصورتی اور فصاحت کے پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔

۳۔امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے انبیاءؑ کے معجزات کا اُس زمانے کے علوم و فنون کے مطابق ہونے کے متعلق ایک حدیث میں آیا ہے: " جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت سحر اور جادو گری کا رواج عام تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے ایک ایسی چیز اُن لوگوں کی طرف بھیجی کہ جو اُن کی قدرت سے باہر تھی اور اُن کے جادو کو باطل کر کے اُن پر اتمام حجت کر دیتی تھی، اور جب حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت نا قابل علاج بیماریاں عام تھیں اور لوگوں کو اُن کے علاج کے لئے طب کی ضرورت تھی۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ایسی چیز بھیجی کہ جو اُن کے پاس نہیں تھی، جس سے اُن کے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مادر زاد نابینا لوگ اور پیسی میں مبتلا، بیمار اللہ تعالیٰ کے حکم سے (حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں) صحت یاب ہو جاتے تھے، اور اس طرح اُن پر ان چیزوں کے ذریعے اتمام حجت ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا کہ جب اُس زمانے کے لوگوں پر (دلنشین اور فصیح و بلیغ) خطبات اور کلام کا غلبہ تھا (راوی کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں امامؑ نے شعر کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے)، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے (فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بلند ترین) مواعظ اور حکمت آمیز کلمات بھیجے کہ جو اُن (مشرکین) کے کلام کو باطل کر دیتے اور اُن پر حجت تمام کر دیتے تھے"۔(1)

ان تمام قرائن سے پتا چلتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن ایک معجزہ تھا اور اب بھی ہے، لیکن انصاف تو یہ ہے کہ یہ قرائن اس سے زیادہ کسی اور چیز کو ثابت نہیں کرتے کہ فقط فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہی قرآن معجزہ تھا نہ کہ اسی میں منحصر تھا، جبکہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دوسرے پہلو بھی بہت نمایاں ہیں۔

قرآن مجید کی اعجاز آمیز فصاحت و بلاغت

مزید توجہ اور آگاہی کے لئے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآن کے معجزہ ہونے کے بارے میں درج ذیل نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

۱۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب فصاحت و بلاغت میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اس زمانے کے اشعار منجملہ "معلقات سبع" ابھی تک عربوں کے منتخب اشعار کے طور پر پہنچانے جاتے ہیں، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد اُنھوں نے وہ سب اشعار (خانہ کعبہ سے) اُتار لئے تھے اور قرآن کی بے مثال فصاحت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، اور قرآن کا مقابلہ کرنے کے تمام محرکات کے باوجود، اس کے مقابلے میں کوئی بھی چیز پیش نہ کر سکے۔ گذشتہ صفحات میں قرآنی جاذبیت کے موضوع کے بارے میں اس لحاظ سے قرآنی اثرات کے سلسلے میں کچھ زندہ اور واضح مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۲۔پوری تاریخ میں ہمیشہ مردان حق کے مقابلے میں کچھ ایسے گروہ کھڑے ہو جاتے تھے کہ جن کا ناجائز مفاد خطرے میں پڑ جاتا تھا اور یہ لوگ ان مردان حق پر تہمتیں لگاتے تھے اور یہ تہمتیں جھوٹی اور بے بنیاد ہونے کے باوجود کچھ ایسی واقعیات کی حکایت بھی کرتی تھیں جو اُن کے ارد گرد موجود ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم ﷺ پر ایک تہمت جو لگائی گئی تھی وہ ساحر اور جادو گر ہونے کی تہمت تھی کہ جس کی بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی تھی۔

سورۂ مدثر کی آیت نمبر ۲۴،۲۵ میں ہم دیکھتے ہیں: ”فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ“ یعنی: ”آخر کار (مشرکین کے سردار ولید نے) کہا: یہ قرآن (گذشتہ لوگوں کے جادو کی طرح) ایک پُر تاثیر جادو کے سوا کچھ نہیں، یہ سوائے کلام بشر کے اور کچھ بھی نہیں۔“

پیغمبر ﷺ پر اس بے بنیاد تہمت کی اصل وجہ آیات قرآن کا حیرت انگیز اور غیر معمولی طور پر موثر ہونا تھا۔ قرآن جو کہ اپنی عجیب و غریب فصاحت و بلاغت کے ساتھ دلوں کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا، دشمنان قرآن اس کے اثرات کو غیر معمولی نہیں سمجھتے تھے اور اس کے لئے سوائے جادو و سحر کے اور کوئی کلمہ انتخاب نہیں کر سکتے تھے، چونکہ لغت میں ہر وہ غیر معمولی کام کہ جس کا سرچشمہ اور سبب معلوم نہ ، جادو اور سحر کہلاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس تہمت کے ذریعے ایک واضح حقیقت پر پردہ ڈال کر اعجاز الٰہی کا انکار کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنے اس دعوی میں وہ نادانستہ طور پر قرآن کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے کہ جو جادو و سحر جیسی جاذبیت رکھتا ہے!

۳۔ اہل قلم اور ادباء کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر اُن کے دو واضح گروہ ہوتے ہیں: کچھ الفاظ کی خوبصورتی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کبھی تو معانی کو الفاظ پر قربان کر دیتے ہیں، اس کے برعکس ایک گروہ الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا بلکہ اپنی پورا زور اور صلاحیت معانی کی گہرائی پر صرف کر دیتا ہے۔

اسی ہمارے ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے سابقہ بزرگ شعراء کی نگارشات کو (ایک لحاظ سے) دو مختلف سبک میں تقسیم کیا ہے: سبک عراقی اور سبک ہندی۔

جن بزرگ شعراء نے پہلے سبک واسلوب کے مطابق شعر کہے ہیں، اُنھوں نے اپنا ذوق اور استعداد زیادہ تر الفاظ کی خوبصورتی میں صرف کیا ہے جبکہ دوسرے سبک کے حامیوں نے اکثر اوقات دقیق معانی اور اس کی مخصوص ظرافتوں کو مد نظر رکھا ہے۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت کم لوگ ایسے ملیں جنہوں نے ہر دو اسلوب کو اہمیت دی ہو اور اپنے بعد دلچسپ نگارشات چھوڑی ہوں، لیکن وہ اپنے کام میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں، یہ بات تفصیل طلب ہے۔

چونکہ ہمیشہ مد نظر معنی و مفہوم کو خوبصورت اور ہم آہنگ و دلچسپ الفاظ میں نہیں ڈھالا جاسکتا اور اس کی تمام باریکیاں منعکس نہیں سکتیں ، لہذا اکثر شاعر ، اہل سخن اور خطباء الفاظ کی زیبائی اور معانی کی خوبصورتی کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں اور مجبوراً کسی ایک راستے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ لہٰذا بہت سی منظومات اور نثروں میں معانی، سجع اور قافیہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ عربی ادب سے آشنا ہیں اور پھر قرآن سے آگاہ ہوتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ اس عظیم الٰہی کتاب نے اس اہم خصوصیت کی معجزانہ حد تک حفاظت کی ہے اور اس میں الفاظ انتہائی شرین و لذید، اس کے جملات بہت ظریف و زیبا اور کلمات موزوں اور ہم آہنگ انداز میں ادا ہوئے ہیں، اور یہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اعجاز قرآن کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔

قرآن اپنے معانی و مطالب کی ادائیگی میں کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیتا اور اپنا مقصود بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے اس کے باوجود اس کے معانی کو ایسے الفاظ کا لباس پہنایا گیا ہے جو خوبصورتی کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے۔

۴۔ شعراء اور اہل سخن کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ بعض مواقع پر بیان کی خوبصورتی کے لئے جھوٹے مبالغے سے کام لینا چاہیے ، مثلاً بیابانوں میں لشکر کے گھوڑوں کے سموں سے اُٹھنے والے گرد و غبار سے زمین کے سات طبقات کو چھ اور آسمان کے سات طبقات کو آٹھ کیا جاسکتا ہے! یا فلک کی نو کرسیوں کو اپنے پاؤں کے نیچے بچایا جاسکتا ہے تاکہ ”قزل ارسلان“ کی بلندیوں کی برابری کی جاسکے ! دل کو خون کا دریا اور آنکھوں کے آنسوؤں سے دریائے جیحون بنایا جاسکتا ہے! حتیٰ یہاں تک کہا گیا ہے:

در شعر مپیچ و در فن او — کہ از اکذب اوست احسن او!

اس لحاظ سے خوبصورت ترین شعر وہی ہے — جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو۔

یہ جو قرآن مجید نے شعراء کے بارے میں فرمایا: "أَلَمْ تَرَىٰ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ " یعنی: "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں" بظاہر اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے چونکہ اکثر شعراء خیالات وشاعرانہ تشبیہات میں غرق ہوتے ہیں۔ (2)
لیکن جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں کسی بھی جگہ جھوٹ پر مبنی مبالغہ نہیں دیکھتے اور اس کے الفاظ و معانی میں جس قدر خوبصورتی اور ظرافت پائی جاتی ہے، وہ سب کی سب حقائق کو بیان کر رہی ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم قرآن کی متعدد آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ پر شاعر ہونے کی تہمت اور قرآن مجید کے شعر ہونے کے شبہے کی نفی دیکھتے ہیں۔ (3)
یہ حقیقت ہے کہ قرآن شاعرانہ تخیلات سے عاری، شاعرانہ حقیقت سے دور اغراق ومبالغات اور خیالی تشبیہات واستعارات سیخالی ہے اور سوائے یقینی اور قطعی حقائق بیان کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس قدر شرین اور دلچسپ ہے کہ اسلام سے کوسوں دور رہنے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنی جانب کھینچ رہا ہے جس کی چند مثالیں "قرآن کی جذابیت " کے عنوان سے پیش کی جاچکی ہیں۔
دلچسپ بات یہ کہ تاریخ کے مطابق، عرب کے بہت سے مشہور شعراء جب اپنے آپ کو قرآن مجید کی فصاحت کے مقابلے میں دیکھتے تو دل وجان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ قدرت مند شعراء میں سے جو لوگ قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں ،اُن میں سے ایک: "لبید " نامی شاعر تھا، جس کے شعر ایام جاہلیت میں معلقات سبع میں شمار ہوتے تھے (معلقات سبع سے مراد وہ سات معروف شعر ہیں کہ جو عربوں کے منتخب اشعار کے عنوان سے کعبہ کی دیوار پر آویزاں کئے گئے تھے) "حسان بن ثابت" بھی اُن ثروت مند شعراء میں سے ہے، جو قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہو گیا تھا۔
"خنساء " بھی ایک عرب شاعرہ اور نقاد تھی اور "اعشیٰ " بھی ایسے شعراء میں سے ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے، یہ دونوں بھی اسلام کی گرویدہ ہو گئیں تھیں اور قرآن کی جاذبیت سے بہرہ مند ہوئی تھیں۔ (4)
۵۔قرآن کی فصاحت وبلاغت کے مظاہر میں سے ایک اور چیز اس میں موجود ایک "مخصوص آہنگ" ہے۔ ادیبوں کا کلام یا تو شعر کی صورت میں ہوتا ہے یا نثر میں، قرآن نہ تو شعر ہے، نہ ایک عام اور معمولی نثر ہے۔ قرآن ایک مخصوص آہنگ کی حامل نثر ہے جو خود اسی سے مختص ہے، ایسی نثر جو قرآن کی قرائت کرنے والوں میں ایک مکمل آہنگ کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔
اگرچہ ہم کے قرآن کے بارے میں "موسیقی " کی تعبیر استعمال نہیں کرسکتے، چونکہ موسیقی عرف عام میں منفی مفاہیم سے آلودہ چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن "مصطفیٰ رافعی " جیسے بعض مشہور عرب اہل قلم نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن" میں لکھا ہے: "قرآن کے اسلوب اور روش سے ایسے آہنگ اور لہجے وجود میں آتے ہیں جو ہر سننے والے کو اُسے سننے پر اُبھارتے ہیں اور یہ خود ایک قسم کی مخصوص موسیقی ہے جس کی اس زمانے میں اس طرح کے موزوں کلمات میں مثال نہیں ملتی۔ قرآن کی یہی نظم وترتیب تھی کہ جس کی وجہ سے عرب طبع کو صفا ملتی تھی اور اُسے جدید طرز کے نظم واسلوب سے متعارف کراتی تھی، جس کی مثال اس سے پہلے کہیں بھی نہیں ملتی "۔
اس سلسلے میں ایک مغربی دانشور "بولاتیتلر " کہتا ہے: "یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انسانی فصاحت، قرآن جیسی تاثیر رکھتی ہے ، خصوصاً جب وہ مسلسل اپنے عروج پر ہو اور اُس میں کوئی کمزوری بھی دکھائی نہ دے اور ہر زمانے میں وہ ایک جدید قلعے کو فتح کر رہی ہو، جی ہاں! یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کے سامنے روی زمین پر بسنے والے لوگ اور آسمان کے فرشتے بھی عاجز ہیں "۔ (5)
ایک دوسرا دانشور "کانٹ ہنری دی کستری" کہتا ہے: "اگر قرآن میں معانی کی بلندی اور مبانی کی خوبصورتی نہ بھی ہوتی تو افکار کو فتح کرنے اور تمام دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے کافی تھا"۔ (6)

۶۔یہ نکتہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ عام طور پر ہر کلام تکرار کی وجہ سے انسان کو تھکا دیتا ہے، لیکن قرآن اس قدر شرین ہے کہ کئی سو دفعہ پڑھنے کے باوجود باعث ملال نہیں ہوتا،اس کی جاذبیت اور شرینی باقی رہتی ہے یہ بات یہ فقط قرآن کے معتقدین میں مشہور ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی بارہااس چیز کو دیکھا ہے۔

یہ وہی چیز ہے کہ جو امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث میں ذکر ہوئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: ''مَا بَالُ الْقُرْآنِ لَایَزْدَادُ عَلَی النَّشْرِ وَالدَّرْسِ اِلَّا غَضَاضَۃً؟ یعنی: ''آخر قرآن اس قدر زیادہ پڑھے جانے اور درس وبحث کے باوجود پُرانا نہیں ہوتا؟''

امامؑ نے فرمایا: ''لِاَنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لَمْ یَجْعَلْہُ لِزَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ وَلَا لِنَاسٍ دُونَ نَاسٍ، فَھُوَ فِی کُلِّ زَمَانٍ جَدِیدٌ، وَعِنْدَ کُلِّ قَوْمٍ غَضٌّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ: یعنی: ''کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کسی خاص زمانے یا کسی خاص گروہ کے لئے قرار نہیں دیا۔ للذا وہ ہر زمانے میں تازہ ہے اور ہر قوم و گروہ کے لئے قیامت تک کے لئے طراوت وتازگی رکھتا ہے''۔(7)

امام علیؑ بھی ایک مختصر وجامع جملے میں فرماتے ہیں: ''لَاتُخْلِقُہُ کَثْرَۃُ الرَّدِّ وَوُلُوجُ السَّمْعِ'':

''قرآن کو بار بار پڑھنا اور سننا،اُسے پرانا نہیں کرتا''۔(8)

۷۔فصاحت و بلاغت کی ظرافتوں میں سے ایک الفاظ کی زیادتی سے پرہیز اور اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مفہوم اور مراد مکمل رہنا ہے۔جسے اصطلاح میں ''ایجاز مُخل''اور''اطناب مُمل'' سے بچنا کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بات کا انتہائی لحاظ رکھا گیا ہے،بعض اوقات تو ایک بڑے سے بڑے قصے کو ایک ہی آیت میں بیان کردیا گیا ہے کہ جس کا ہر جملہ اس قصے کے ایک بڑے حصے کی حکایت کررہا ہوتا ہے،جس کے قرآن میں بہت زیادہ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس کا واضح نمونہ قرآن کی یہ معروف آیت ہے: ''وَقِیلَ یَاأَرْضُ ابْلَعِی مَائَکِ وَیَاسَمَاءُ أَقْلِعِی وَغِیضَ الْمَاءُ وَقُضِیَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُودِیِّ وَقِیلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِینَ: یعنی: ''اور کہا گیا:اے زمین !اپنا پانی نگل جا،اے آسمان رک جا، پانی نیچے چلا گیا اور معاملہ ختم ہوگیا۔ وہ (کشتی)جودی (پہاڑ کے دامن)میں ٹھہر گئی۔(اس وقت) کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (خدا کی رحمت سے)دوری ہے۔''(9)

یہی وہ آیت ہے کہ جس کے سامنے مشہور عرب ادیب ''ابن مقفع'' نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے کہ جب اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ وعدہ کے مطابق قرآن کے چوتھائی حصے کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا تھا،لیکن جب وہ اس آیت پر پہنچا اس کا ہاتھ رُک گیا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بالکل عاجز اور ناتوان پایا، کیونکہ اس آیت میں پورے اختصار کے باوجود طوفان نوحؑ کے واقعے کو تمام جزئیات کے ساتھ اور چھوٹی چھوٹی بامعنیٰ تعبیرات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور بعض محققین کے بقول اس میں ادبی صنایع کے ۲۳ نکات (استعارہ،طباق،مجاز،حذف، اشارہ، موازنہ، جناس، تسہیم یا ارسال، تقسیم، تمثیل اور ارداف وغیرہ) جمع ہیں۔(10)

۸۔ادبی لحاظ سے قرآن کی دوسری خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنی عبارتوں میں ظرافت اور لطافت کے باوجود غیر معمولی ''صراحت و قاطعیت'' پائی جاتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بولنے والے کے صراحت لہجہ سے سبھی لوگ لذت محسوس کرتے ہیں، چونکہ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے حقائق کو بیان کردیتا ہے اور ایک انسان کے لئے حقیقت سے زیادہ کوئی چیز لذیذ نہیں ہوتی۔

کلمات کو چبا چبا کر اور چند پہلوؤں کے ساتھ ادا کرنا (اگرچہ بعض خاص حالات میں ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے) بولنے والے کے اپنے اوپر اور اپنے کلام پر عدم اعتماد کی علامت ہے، یا ایسا سننے والوں کے ڈر وخوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بہرحال یہ چیز بولنے والے کی کمزوری اور ناتوانی کی حکایت کر رہی ہوتی ہے۔

صراحت اور قاطعیت اکثر اوقات غصے اور خشونت کے ہمراہ ہوتی ہے، لیکن اہم چیز یہ ہے کہ صراحت اور قاطعیت کے ساتھ ساتھ بیان میں لطافت بھی ہونی چاہیے اور یہ چیز قرآن کی آیات میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔

اسلام کے خلاف سب سے اہم محاذ، توحید و شرک کا محاذ تھا۔ لہٰذا قرآن نے اسی میدان میں زیادہ سے زیادہ صراحت و قاطعیت دکھائی ہے: ایک قرآن کا فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ۔ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ"

یعنی: "اللہ کو چھوڑ کر تم جنھیں پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر کچھ لے لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے اور طالب و مطلوب (عابد و معبود) دونوں ہی بڑے کمزور ہیں"۔ (11)

جب بت پرست قرآن کی ناقابل برداشت منطق سے فرار کرتے ہوئے اپنے آباؤاجداد کے سائے میں پناہ لیتے تھے اور کہتے تھے: "بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَیْنَا عَلَیْهِ آبَائَنَا": ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا۔ تو اس وقت قرآن قاطعیت کے ساتھ جواب میں فرماتا: "أَوَلَوْ کَانَ آبَاؤُهُمْ لاَیَعْقِلُونَ شَیْئًا وَلاَیَهْتَدُون": یعنی: کیا ایسا نہیں کہ ان کے آباؤاجداد نہ کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ (12)

ایک دوسری جگہ، اس سے بھی زیادہ قاطعیت کے ساتھ آباؤاجداد کے آداب و رسوم پر تکیہ کرنے والوں کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی قرآن فرماتا ہے: "لَقَدْ کُنتُمْ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُکُمْ فِی ضَلاَلٍ مُبِینٍ" ترجمہ: "یقینا تم اور تمہارے آباؤاجداد بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے ہو۔" (13)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کے سلسلے میں فرمایا: "فَلاَ وَرَبِّکَ لاَیُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَیَجِدُوا فِی أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوا تَسْلِیمًا"

یعنی: "تیرے پروردگار کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم اور فیصلہ کرنے والا مانیں اور پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی ناراضی محسوس نہ کریں اور اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں"۔ (14)

اس طرح فرمان پیغمبرؐ کے ساتھ ظاہر و باطن اور پنہان و آشکار، حتیٰ دل اور خواہشات کی ہم آہنگی کو سچے ایمان کی شرط قرار دیا اور اس کے ساتھ اس قدر صراحت اور قاطعیت کے ہوتے ہوئے ان تعبیرات میں لطافت بھی بالکل واضح ہے۔ دوسرے موضوعات میں بھی خواہ وہ مبداء و معاد سے متعلق ہوں یا اجتماعی قوانین اور جنگ و صلح سے متعلق مسائل ہوں یا اخلاقی ابحاث ہوں، یہی قاطعیت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ جس کی مکمل تفصیل کے لئے ایک جدا کتاب کی ضرورت ہے۔

۹۔ عفت بیان اور متانت

معمولاًاَن پڑھ لوگ اپنی تعبیرات اور کلمات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور اکثر اوقات اپنا مدعا بیان کرتے وقت نزاکت اور ادب سے عاری کلمات استعمال کر جاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن ایسے ہی لوگوں کے درمیان نازل ہوا ہے، لیکن اُس نے ہر گز اس ماحول کا رنگ نہیں اپنایا اور اپنی تعبیرات و کلمات میں انتہائی متانت و عفت بیان کا خیال رکھا ہے، اس کی وجہ سے قرآن کی فصاحت و بلاغت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

بڑے بڑے خطباء اور اہل قلم جب عاشقی یا اسی قسم کے مسائل کا سامنا کرتے ہیں تو مجبوراً داستان کے اصلی ہیرو کے حقیقی چہرے کی عکاسی کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کا آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اصطلاحاً کلام کا حق ادا کر دیتے ہیں اور اس طرح ہزار قسم کی گندی اور شہوت انگیز تعبیرات استعمال ہو جاتی ہیں۔

یا وہ مجبوراً بیان کی نزاکت اور عفت کلام کی خاطر بعض مناظر کو ابہام کے پردوں میں چھپا دیتے ہیں اور اپنے حریفوں کے ساتھ اشارے کنائے میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور ان دونوں چیزوں یعنی؛ مکمل طور پر واقعیت کو بیان کرنا اور قلم و بیان کو خلاف عفت اور نزاکت کلام سے آلودہ ہونے سے بچانا، ایک بہت ہی مشکل کام ہے جسے کم ہی لوگ انجام دے سکتے ہیں۔

یہ بات کیسے قبول کی جا سکتی ہے کہ ایک اَن پڑھ اور انتہائی پس ماندہ اور نیم وحشی ماحول سے اُٹھنے والا شخص، مسائل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نزاکت و عفت بیان سے دور کوئی معمولی سی تعبیر بھی اختیار نہ کرے۔

مثال کے طور پر جب قرآن مجید حضرت یوسف ؑ کے حقیقی واقعے کے بعض حساس مناظر کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک ہوس کی ماری خوبصورت عورت کے عشق سوزان کو بیان کرتا ہے تو واقعات کے ذکر کرنے سے چشم پوشی کئے بغیر، ان مطالب کو ابہام و اجمال کے پردے میں بیان کرتے ہوئے عفت و اخلاق کے تمام اُصولوں کی رعایت کرتا ہے اور کہے جانے والے تمام مطالب کو بیان کر دیتا ہے، لیکن عفت بیان کے اصول سے ذرہ بھر بھی انحراف نہیں کرتا۔ مثلاً عشق "زلیخا" کی خلوت گاہ کا ماجرا، اس طرح بیان کرتا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لاَيُفْلِحُ الظَّالِمُونَ: یعنی: "اور جس عورت کے گھر میں یوسف ؑ رہتا تھا اس نے اس سے اپنے مطلب کے حصول کی خواہش کی اور دروازے بند کر دیئے اور کہا کہ اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے۔ (یوسف ؑ نے) کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں وہ (عزیز مصر) میرا صاحب نعمت ہے اور اس نے مجھے محترم جانا ہے (اور میں اس سے خیانت کروں؟) یقیناً ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔" (15)

دلچسپ بات یہ کہ قرآن نے یہاں پر "رَاوَدَ" استعمال کیا ہے اور یہ کلمہ اس جگہ کہا جاتا ہے کہ جہاں کوئی نرمی اور ملائمت کے ساتھ اصرار کے ساتھ کسی چیز کا انسان سے تقاضا کرے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اپنا مقصد بیان کرنے کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہے۔

دوسری جانب زلیخا یا عزیز مصر کی بیوی کا نام تک نہیں لیا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے: "الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا" یعنی "جس عورت کے گھر میں یوسف ؑ رہتا تھا" تا کہ یوسف ؑ کی حق شناسی کے نکتے کو مجسم کیا جا سکے اور اس کے ساتھ اس قسم کی (عورت) کے مقابلے میں اُن کے مقام تقویٰ کو بھی بیان کیا جائے کہ جس کے پنجہ (قدرت) میں اُن کی زندگی تھی، لیکن پھر بھی اُنھوں نے استقامت و پائیداری دکھائی۔

تیسرا یہ کہ جملہ "غَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ" یعنی "تمام دروازے محکم بند کر دیئے" باب تفعیل کے مصدر کے حکم میں مبالغہ کا معنیٰ دے رہا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ کن سخت ترین حالات میں وقوع پذیر ہوا ہے۔

چوتھا نکتہ یہ کہ جملہ "قَالَتْ هَيْتَ لَكَ" یعنی: "اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے" ان آخری کلمات کی حکایت کر رہا ہے جو زلیخا نے یوسف ؑ کے وصال کے لئے کہے ہیں، لیکن یہ جملے کس قدر سنگینی، متانت اور عفت بیان کے حامل ہیں اور کسی قسم کے بُرے اثرات نہیں چھوڑ رہے۔

پانچویں اہم بات یہ کہ حضرت یوسف ؑ کے اس فرمان " مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ " کہ جو اُنھوں نے زلیخا کے جواب میں کہا، میں زلیخا کے لئے ایک تنبیہ اور نصیحت ہے کہ میں تو اس گھر میں چند دن ہی رہا ہوں، لیکن اس گھر کے مالک کے ساتھ کسی قسم کی خیانت نہیں کر رہا کہ جس کا میں نے نمک اور رزق کھایا ہے جبکہ تو اس گھر میں پوری عمر رہی ہے، تو کیوں خیانت کر رہی ہے؟

اس کے بعد والی آیات کہ جن کی تفصیل بہت طولانی ہو جائے گی ، بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اس قصے کی تفصیل بیان کرتی ہیں اور اس میں خواہشات وہوس کی امواج کے سامنے پائیداری دکھانے اور اس موقع پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کے نیک انجام کی بہت ہی دلچسپ منظر کشی کرتی ہیں۔

ایک دوسری آیت میں جب اپنے آپ کو اس تہمت سے بری ذمہ قرار دینے کے لئے زلیخا نے ایک دعوت کا اہتمام کیااور اس وقت اس دعوت میں آنے والی مہمان مصری عورتوں کے احساسات وجذبات کو ایک مختصر جملے میں بیان کرنا چاہاتوفرمایا:

"فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ " یعنی: "جب ان کی نگاہ اس (یوسفؑ کے خوبصورت چہرے) پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور (بے اختیار) انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا: حاشاللہ یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔"(16)

"مَلَكٌ كَرِيمٌ " (بزرگ فرشتے) کی تعبیر حضرت یوسفؑ کی غیر معمولی خوبصورتی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی اعلیٰ درجے کی پاکدامنی کو بھی ظاہر کررہی ہے۔ جیساکہ عام طور پر ایسی تعبیرات کے ذریعے کسی فرد کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے : یہ تو فرشتہ ہے۔اور پھر اس کے بعد بہت ہی خوبصورت اور گویا جملوں میں حضرت یوسفؑ، یعنی؛ عفت وپاکدامنی کے اس مجسمے کے مقام ومرتبے کو اس واقعے میں مکمل طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ قرآنی مثالیں

قرآن مجید نے حقائق بیان کرنے کے لئے بہت سی "مثالوں" سے استفادہ کیا ہے۔جن کا مجموعہ اس عظیم الٰہی کتاب کی فصاحت وبلاغت کے واضح مظاہر میں سے ہے۔ان مثالوں میں جس باریک بینی سے کام لیاگیاہے اور اُن میں سے ہر مثال میں جو ظریف ودقیق اور دلنشین نکات استعمال ہوئے ہیں، وہ انسان کو حیرت زدہ کردیتے ہیں۔بنیادی طور پر (علمی) مباحث کی توضیح وتفسیر میں مثال کا کردار ناقابل انکار ہے۔اسی لئے کسی بھی اہم علمی موضوع میں ہمارے لئے حقائق کی وضاحت کرنے اور اُنہیں ذہن کے نزدیک کرنے کے لئے مثال کا ذکر کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔چونکہ بعض اوقات مقصد ومراد سے مناسبت رکھنے والی ہم آہنگ مثال پیچیدہ ترین مطلب کو آسمان سے زمین پر لے آتی ہے اور وہ مطلب سب کے لئے قابل فہم بن جاتا ہے۔

لہٰذا دنیا کے فصیح وبلیغ اور ادیب وشاعر لوگوں کا ایک بڑا فن وہنر یہی تمثیل گوئی سے کام لینا ہے۔"زمخشری "اپنی تفسیر "کشاف" میں "مَثَل" کے بارے میں کہتا ہے: عرب زبان میں مَثَل درحقیقت مِثْل، یعنی؛ نظیر کے معنیٰ میں ہے۔اُن کے نزدیک ضرب امثال اور علماء کا امثال میں بات کرنا ایک بلند شان رکھتا ہے۔ چونکہ اس سے مخفی معانی سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، تاریک نکات روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک مُخَیَّل (خیال شدہ) چیز مسلّم وثابت ہو جاتی ہے، مشکوک شئ ، یقینی بن جاتی ہے اور غائب ،شاہد میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔اسی لئے "کتاب قرآن مبین "اور دوسری تمام الٰہی کتب میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مثالیں ذکر کی ہیں

مثالوں کے چند فائدے ہوتے ہیں، یہ عقلی مسائل کو حسی بنادیتی ہیں،دور کے راستوں کو نزدیک کردیتی ہیں، ان سے مطالب سب کے لئے۔(17) قابل فہم ہوجاتے ہیں،مثال مسائل کو زیادہ قابل اطمینان بنادیتی ہے اور ایک مناسب واچھی مثال ضدی سے ضدی انسانوں کو بھی خاموش کردیتی ہے۔ بعض محققین نے قرآنی مثالوں کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ قرآنی مثالوں کے بارے میں تحلیل وتجزیہ کیا ہے۔درحقیقت قرآنی مثالیں ایک معجزہ ہیں۔اس حقیقت کے ادراک کے لئے ان میں سے کچھ مثالوں کے بارے میں ایک دقیق تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

قرآن کی معجزانہ مثالوں کے چند نمونے

جب قرآن حق و باطل کی ایک دقیق منظر کشی کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللهُ الْأَمْثَالَ۔

ترجمہ: " اللہ نے آسمان سے پانی بھیجا اور ہر درہ اور دریا سے ان کی مقدار کے مطابق سیلاب اُمڈ پڑا پھر پانی کے ریلوں پر جھاگ پیدا ہو گئی۔ اور جن (بھٹیوں) میں زیورات یا اسباب زندگی تیار کرنے کے لئے آگ روشن کرتے ہیں، ان سے جھاگ نکلے گی۔ اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے، لیکن جھاگ ایک طرف ہو جاتی ہے (اور بہت جلد ختم ہو جائے گی) اور لوگوں کے لئے فائدہ رساں چیز (پانی یا خالص دھات) زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثال بیان کرتا ہے"۔(18)

معانی سے پُر اس مثال میں کہ جو بہت موزوں الفاظ و عبارات کے ساتھ بیان کی گئی ہے، حق و باطل کی منظر کشی بہترین شکل میں کی گئی ہے اور اس میں بہت ہی اہم حقائق پوشیدہ ہیں، جن میں سے کچھ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حق و باطل کی شناخت بعض اوقات اس قدر پیچیدہ ہو جاتی ہے، جس کے لئے علامتوں کی طرف جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

۲۔ حق ہمیشہ مفید اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ گویا صاف و شفاف پانی کی طرح حیات و زندگی کا سرمایہ ہے یا خالص دھاتوں کی طرح ہے جو یا تو زینت کے لئے یا اسباب زندگی کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

۳۔ حق، ہمیشہ اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے، لیکن باطل، حق کی آبرو سے مدد لیتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے لباس میں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے اور اس کی حیثیت و آبرو سے اُسی طرح فائدہ اُٹھاتا ہے، جس طرح ہر جھوٹ، سچائی سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اگر دنیا میں سچائی نہ ہوتی تو کوئی بھی جھوٹ پر یقین نہ کرتا۔ اسی طرح اگر حق نہ ہوتا تو باطل کے لئے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

۴۔ ہمیشہ ہر موجود اپنی ظرفیت کے مطابق بہرہ مند ہوتا ہے، جس طرح ہر درے سے اُس کی گنجائش کے مطابق بارش کا پانی بہتا ہے۔

۵۔ باطل ہمیشہ پریشانیاں پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ جیسا کہ سیلاب جب پہاڑوں سے جوش و خروش کے ساتھ بہنا شروع کرتا ہے تو جھاگ بھی اپنے ساتھ لاتا ہے، لیکن جب وسیع و عریض میدانوں میں پہنچتا ہے تو اس کا جوش و خروش ختم ہو جاتا ہے اور جھاگ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

۶۔ باطل فقط ایک لباس میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر لحظہ اپنا رنگ و لباس بدلتا رہتا ہے۔ جس طرح جھاگ پانی پر پیدا ہوتی ہے، اسی طرح بھٹیوں میں دھاتوں کے (پگھلنے سے) بھی جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں ان کی رنگا رنگی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ حق و باطل کی پہچان رکھنے والی آنکھوں کو اُنہیں ہر رنگ و لباس میں پہنچان لینا چاہیے۔

۷۔ حق و باطل کی جنگ دائمی ہے۔ "یہ میٹھے اور کھارے پانی رگ رگ ہوتا ہے اور تا قیامت خلائق میں یہ جنگ رہتی ہے"۔ جس طرح آسمانوں سے بارش برستی رہتی ہے اور بھٹیوں میں دھاتیں پگھلتی رہتی ہیں، اسی طرح (حق و باطل کی جنگ بھی) ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

۸۔ باطل ظاہر اور آنکھوں میں آنے والا، لیکن اندر سے خالی ہوتا ہے۔ مگر حق متواضع، خاموش اور ہنر نما ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور و فکر سے اس مثال میں بہت سے دوسرے نکات بھی مل سکتے ہیں۔ یہ قرآنی مثالوں کا ایک نمونہ تھا۔ بہت سی دوسری مثالیں بھی ہیں، مثلاً: اللہ کی راہ میں انفاق اور اس کی (گندم کے) دانوں اور خوشوں سے تشبیہ۔ (سورہ بقرہ: ۲۶۱)

ریاکارانہ اعمال کی اس بارش سے تشبیہ جو سنگ خارا پر برستی ہے کہ جس پڑی ہوئی تھوڑی بہت گرد و غبار کو صاف کر دیتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ خالصانہ عمل اس بارش کی طرح ہے جو سورج کی کرنوں اور صاف و شفاف ہوا کے سامنے پھیلی ہوئی زرخیز زمین پر برستی ہے۔ (سورہ بقرہ: ۲۶۵، ۲۶۴)

کفار کے اعمال کو ہوا کے سامنے خاکستر سے تشبیہ دینا (سورہ ابراہیم: ۱۸)

یا سراب سے تشبیہ دینا (سورہ نور: ۳۹)
یاآسمان پر بادلوں کے پھیل جانے سے سمندر میں یارات کے وقت پھیلی ہوئی ظلمت وتاریکی سے تشبیہ دنیا (سورہ نور: ۴۰)
منافقین کے اعمال کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دیناجو تاریک رات میں، کسی بیابان میں راستہ گم کر بیٹھتا ہے، اور گرج چمک سے لرزنے لگتا ہے۔ایک لحظے کے لئے چمکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں چلنے کی سعی کرتا ہے، لیکن ایک بار پھر تاریکی چھاجاتی ہے اور اس کی نظروں میں سب کچھ تاریک ہو جاتا ہے۔ (سورہ بقرہ: ۲۰،۱۹)
بت پرستوں کے شعور وقدرت سے خالی بتوں پر بھروسہ کرنے کو (خانہ عنکبوت) مکڑی کے جالے سے تشبیہ دنیا۔ (سورہ عنکبوت: ۴۱)
غیبت کرنے والوں کو اس شخص سے تشبیہ دیناجو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ (سورہ حجرات: ۱۲)
اور پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو آسمانوں اور زمین کے نور اور پھر اس نور کو خاص خصوصیات کے حامل چراغ سے تشبیہ دینا، اپنے اندر انواع واقسام کی ظرافتیں رکھتا ہے (سورہ نور: ۳۵)
اسی طرح بہت سی دوسری مثالیں کہ جن کو یہاں ذکر کرنا طولانی ہونے کا باعث بنے گا، یہ سب قرآن کی فصاحت وبلاغت کو ظاہر کرتی ہیں اور ہمیں اُن اقدار اور اقدار مخالف چیزوں سے آشنا کراتی ہیں جن کا سامنا ہمیں اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے۔اور اس طرح خوبصورت مثالوں کی شکل میں معارف کی ایک دنیا ہم پر کھل جاتی ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ عیون الاخبار بحوالہ تفسیر نور الثقلین /ج ۱/ص ۴۳، یہ حدیث کافی اور بحارالانوار میں بھی نقل ہوئی ہے۔
2۔ شعراء /۲۲۵
3۔ قرآن کی تین آیات میں مشرکین کی طرف سے یہ تہمت نقل ہوئی ہے: (سورہ انبیاء ۵/ سورہ صافات، سورہ طور/۳۰) اور دو آیات میں تو اللہ تعالیٰ واضح طور پر اپنے رسولؐ سے اس نسبت کی نفی فرمارہا ہے۔ (سورہ یس /۶۹ اور سورہ حاقہ /۴۱)
4۔ شیوہ ھای اعجاز قرآن / صفحہ ۷۷
5۔ اثبات الھداۃ /ج ۱/ص ۲۲۳ /کے حواشی
6۔ ایضاً صفحہ ۲۲۲
7۔ میزان الحکمۃ /جلد ۸/ص ۷۰
8۔ نہج البلاغہ /خطبہ ۱۵۶
9۔ ہود/ ۴۴
10۔ شیوہ ہای اعجاز قرآن / صفحہ ۵۲
11۔ حج/ ۷۳
12۔ بقرہ/ ۱۷۰
13۔ انبیاء/ ۵۴
14۔ نساء/ ۶۵
15۔ یوسف/ ۲۳
16۔ یوسف/ ۳۱
17۔ امثال القرآن / صفحہ ۱۲۰
18۔ رعد/ ۱۷